تذکرۃ الاساتذہ

بعض اساتذہ علم اور مشائخ کی کہانی ○ شیخ الحدیث مولانا عبدالحقؒ کی زبانی

محدثِ کبیر شیخ الحدیث حضرۃ مولانا عبدالحقؒ کا مزاج مطالعاتی، تدریسی، اخذ و استفادہ اور پڑھانے کا تھا۔ پھر مشاغل اور مصروفیات ایسی تھیں کہ لکھنے لکھانے کی انہیں کم فرصت ملی حضرتؒ کے افادات "حقائق السنن شرح ترمذی" آپ کے درسِ امالی ہیں۔ "دعواتِ حق" آپؒ کی نستعلیق گفتگو ہے، بغیر کسی تکلف کے گویا مسلسل اور مربوط تحریر ہے۔ بایں ہمہ اگر کچھ لکھا بھی تو وہ اپنے اساتذہ اور مشائخ پر بالخصوص شیخ العرب والعجم مولانا سید حسین احمد مدنیؒ، جامع المعقول والمنقول مولانا رسول خان صاحبؒ —— پھر جس انداز سے لکھا عملی زندگی میں اسی انداز کو اپنایا۔ اپنے اساتذہ بالخصوص حضرۃ مدنیؒ کے گویا آپ ھی عکسِ جمیل اور پرتو تھے۔ حضرۃ مدنیؒ کی جس سادہ، بے تکلف اور محبت بھرے انداز میں آپؒ نے تحریری تصویر پیش کی ہے وھی تصویر بعینہٖ آپ کی تھی۔ وھی اخلاق، وھی عادات، وھی شمائل، وھی خصائل، وھی انداز اور وھی آواز، گویا حدیثِ دیگراں میں سرِ دلبراں بیان ہوا —— اِن مضامین سے ایک تو حضرۃؒ کی اپنے اساتذہ کے ساتھ عقیدت و محبت اور عشق و والہیت کا اندازہ ہو جاتا ہے۔ دوسرا یہ کہ جو چیز آپؒ نے اپنے شیوخؒ کی بیان فرمائی ہے عملی زندگی میں وہ آپؒ نے اپنائی ہے جو آپ ھی کی سیرت کی گویا خود نوشت سوانح بھی بن جاتی ہے۔ یہ مبالغہ نہیں واقعہ ہے کہ آپؒ اپنے مربی و محسن اور شفیق استاذ حضرۃ مدنیؒ کی الفت و محبت، اطاعت و انسانی میلانات وجذبات اور اخلاق و عادات کے لحاظ سے ان ھی کے سانچے میں ڈھلے ہوئے تھے —— یہ شعر بارھا سُنا اور پڑھا مگر واقعہ یہ ہے کہ اس کا صحیح مصداق شیخ الحدیث مولانا عبدالحق قدس سرہ تھے، جب اُن کے مخاطب و مطلوب حضرت مدنیؒ ھوں کہ ؎ تاکس نہ گوید بعد ازیں ∴ من دیگرم تو دیگری

حضرت شیخ الاسلام قطب العالم مولانا سید حسین احمد صاحب مدنی قدس سرہ العزیز

بندہ نہ تو مضمون نگار ہے اور نہ اس کا سلیقہ ہے پھر یہاں تو بالخصوص حضرتِ شیخؒ کا عظمت و احترام جو قلب میں ہے وہ مانع ہے۔ اس کی وجہ سے قلم اس عظیم موضوع پر لکھنے کی جرأت نہیں کر سکتا کہیں ایسا نہ ہو کہ کوئی بات قلم سے شانِ شیخؒ کے خلاف نکلے۔ تاہم مختصراً عرض ہے کہ :-

حضرتِ شیخؒ حسینی سید ہیں، ان کے اجداد نے ۱۹ اُنیس پُشت پہلے ہندوستان کے ضلع فیض آباد میں قیام کیا۔ اسلامی حکومتِ ہند نے بہت سی جاگیریں اجدادِ کرام کے نام کر دیں، ۱۸۵۷ء کے جہادِ آزادی میں انگریز نے بغاوت کے الزام میں تمام جائیداد ضبط کر لی۔ حضرتؒ کے والد ماجد مرحوم نے ہجرتِ مدینہ منورہ کی اختیار کی اور پانچ صاحبزادے بھی ساتھ تشریف لے گئے، حضرتِ شیخؒ نے خود ہجرت کی نیت نہیں کی تھی بلکہ والدِ بزرگوار نے ہجرت کی اور حضرتِ شیخؒ اور دیگر صاحبزادے والدِ گرامی کی معیت میں تشریف لے گئے تھے۔ اور شیخؒ کو بوقتِ وفات وصیت فرمائی کہ ہندوستان جو کہ دارالاسلام تھا اور انگریزوں نے اس پر قبضہ جما کر دارالکفر اور دارِ ظلم بنا دیا ہے اس کو آزاد کرانا چنانچہ حضرت الشیخؒ نے والدِ گرامی کی وصیت پر عمل کی خاطر حجازِ مقدس کی رہائش اور سکونت جس میں ہر قسم روحانی تسکین کا سامان موجود تھا، ترک کر دی اور مظلوم و بے چین اور غلام ہندوستانیوں کی آزادی و آرام کی خاطر ہند کی سکونت اختیار کی۔ الحمدللہ کہ اُن کی سب مساعی جمیلہ کو قبولیت ربّ العزت نے عطا فرمائی اور آج متحدہ ہند آزاد ہو کر پاکستان و بھارت کے نام سے ہمارے سامنے ہے۔

حضرتِ شیخؒ حافظ الحدیث تھے، حضرتؒ سال کے اخیر میں بعد از نمازِ عشاء بھی دارالحدیث میں درسِ بخاری دیا کرتے تھے۔ ان کے سامنے بخاری کی شرح قسطلانی مطبوعہ مصر رکھی ہوتی تھی جو انتہائی باریک خط سے لکھی گئی ہے۔ حضرتِ شیخؒ کے اوقات یا تو درس و تدریس میں یا جہادِ حریت اور تبلیغ کے اسفار میں اور جلسوں میں صرف ہوتے تھے، آرام کے لیے بہت کم وقت ملتا۔ ایک دفعہ عشاء کے بعد دارالحدیث میں حضرتِ شیخؒ بخاری کا درس ارشاد فرما رہے تھے اور قرأۃ بھی خود ہی کر رہے تھے کہ شیخ التفسیر حضرت مولانا احمد علی صاحب لاہوری رحمۃ اللہ عشاء کے بعد گاڑی میں تشریف لے آئے اور سیدھے دارالحدیث آکر درس میں شریک ہوئے اور حضرت مدنیؒ کے پیچھے تشریف فرما ہوئے۔ سبق ختم ہونے کے بعد

حضرت لاہوریؒ سے ملاقات ہوگئی اور مصافحہ کیا تو حضرتِ شیخؒ نے فرمایا کہ آپ کب تشریف لائے ہیں؟ حضرت لاہوریؒ نے جواب دیا کہ کافی وقت ہوگیا۔ تو فرمایا کہ آج مجھے سبق کے دوران کچھ غنودگی سی رہی، چند دنوں سے مسلسل آرام نہیں کیا اسلئے آپ کی طرف دھیان ہی نہیں گیا یعنی آپ نظر نہ آسکے ——— اور اس غنودگی کے وقت حضرتِ شیخؒ بخاری شریف کی عبارت برابر پڑھتے رہتے تھے۔ ہمیں اس سے اندازہ ہوا کہ آپ تمام بخاری شریف کے حافظ تھے ۔ خداوند کریم نے حافظہ کی نعمت سے نوازا تھا۔ طالب علمی کے ایام میں شرکاءِ دورۂ حدیث حضرت الشیخؒ کو لسانِ شیخ الھند سے پکارتے تھے ۔ اور تمام شرکاء اپنے آمالی تقریروں کی تصحیح اور تطبیق حضرتؒ سے کرواتے تھے۔ لانّہٗ لسان شیخ الھند

بعض حضرات سے سُنا ہے (واللہ اعلم) کہ مالٹا کی اسارت کے زمانہ میں رمضان کا مہینہ جب شروع ہوا تو حضرت شیخ الہندؒ نے افسوس کرتے ہوئے فرمایا کہ اس سال تراویح میں قرآن مجید سُننے سے محروم ہیں۔ تو حضرتؒ نے حضرت شیخ الہندؒ کی تمنا پوری کرنے کے لیے حضرتؒ نے اوّل یوم سوا پارہ یاد فرمایا، اسی طرح ہر روز یاد کرتے اور رات کو سُنا دیتے، حافظہ کی ایسی حالت تھی۔

مدینہ منورہ کے قیام کے دوران مختلف اسلامی ممالک کے مروّجہ اسلامی علوم کے ادق اور مغلق کتابیں پڑھاتے تو طریقہ یہ تھا کہ تمام شروح وحواشی متعلقہ مباحث ذہن میں رکھ کر درس کے وقت سادہ اور معرّیٰ نسخہ سامنے رکھتے اور حافظہ کی قوت سے شروح وحواشی اور متعلقہ ابحاث پڑھاتے۔ پھر کتابیں بھی دو چار نہیں چودہ چودہ اور پندرہ پندرہ یومیہ ہوتیں اور جن میں اکثر کتابیں ایسی تھیں کہ ہندوستان کے درسِ نظامی میں شامل نہ تھیں۔ علوم ومعانی، احادیث کی تحقیق اور توضیح، مختلف مذاہب کی تنقیح اور پھر ائمہ احناف کی تائید وترجیح میں تو حضرتِ شیخؒ یکتائے روزگار تھے۔ اور معرکۃ الآرا اختلافی مباحث اور مشکلات کے بارہ میں سب کچھ مستحضر رہتا۔ بارہا ایسا ہوا کہ کسی طویل اور لمبے سفر سے آئے جس میں ایک لحظہ آرام اور یکسوئی کا موقع بھی نہیں ملا، سیدھے دارالحدیث پہنچکر سبق شروع فرماتے اور متعلقہ مضامین ایسے فی البدیہہ اور مرتب ومنقح اندازِ بیان فرماتے کہ گویا ابھی ابھی یکسوئی سے گھنٹوں مطالعہ اور غور وفکر کرکے آرہے ہوں حالانکہ ایسے حالات میں کُتب بینی اور شروح ومطولات دیکھنے کا امکان کہاں ہوتا ہے۔

علومِ حدیث میں تعمّق اور تبحّر کے ساتھ ساتھ قرآنی علوم اور آیات کے مصداق متعیّن کرنے میں بھی حضرتِ شیخؒ بے نظیر تھے۔ ہر موقع اور ہر محل پر برجستہ اور موزوں طریقے سے (جیسا کہ امام بخاریؒ اپنے تراجم میں استدلال فرماتے ہیں) حضرتِ شیخؒ ہر مسئلہ پر فی البدیہہ آیت پیش کردیتے، ایسے برموقع اور برمحل آیت کا انتخاب فی البدیہہ محض عطیۂ خداوندی تھا۔

حضرتِ شیخ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ عشقِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم میں ایسے مستغرق تھے کہ نہ صرف تشریعی سُنن کے کامل پیرو تھے بلکہ تکوینی شمائل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بھی عکسِ جمیل اور مظہر تھے ——— حضرتِ شیخؒ کا چہرۂ انور نہایت باوقار تھا اور اُن کو دیکھ کر رعب طاری ہوجاتا۔ مگر ان کی مجلسِ درس میں اور صحبت میں بیٹھ کر اُٹھنے کو بھی جی نہ چاہتا تھا اور نہ اُن کے نورانی چہرہ کے جمال وانوار کے مشاہدہ سے سیری ہوتی تھی، ایک عجیب فدائیت اور محبت ہوجاتی۔ چلتے وقت قدموں کو وقار اور قوت سے زمین سے اُٹھائے آگے جُھکے ہوئے چلتے رہتے، تواضع اور انکسار چھایا ہوتا، نگاہیں نیچی رہتیں، چہرہ پر مسرت، تبسم اور عجیب بشاشت طاری ہوتی ——— شمائلِ ترمذی شریف جب ہم پڑھا کرتے تو ایک ایک خصلت کا صحیح نقشہ حضرتِ شیخؒ کو دیکھ کر سمجھ میں آجاتا، حضرتؒ کی زندگی کی شکل میں شمائل کی زندہ تصویر ہمارے سامنے ہوتی اور معلقات کتاب کی شرح زندہ ہم دیکھ لیتے۔ حضرتؒ کی متانت وسنجیدگی اور اطمینانی کیفیت کا بھی کچھ عجیب عالم تھا۔ مَیں نے حضرتؒ کو ابتدائے سال کے ایام میں جس سکون اور اطمینان سے درس دیتے ہوئے پایا تعلیمی سال کے آخری ایام کے درس میں بھی بخاری شریف اور ترمذی شریف کو اُسی اطمینان اور سکون سے پڑھاتے دیکھا۔ ایسا ہرگز نہ ہوتا کہ وقت کی تنگی اور عجلت کی وجہ سے کوئی مشکل مقام تشنۂ تحقیق چھوڑ دیا ہو ——— طلبہ پر حضرتؒ کی شفقت از حد تھی خصوصًا درس میں تو عجیب حال ہوتا کبھی بھی غُصّہ نہ ہوتے۔ جب کوئی طالب علم قبل از اختتامِ تقریر کوئی سوال یا شبہ کرڈالتا تو حضرتؒ فرماتے بھائی آپ جلدی کر رہے ہیں، خلق الانسان من عجل۔ پورے سال میں مجھے یاد نہیں کہ درس میں غصہ ظاہر فرمایا یا طبیعت میں جھنجھلاہٹ آئی ہو۔ درس کے علاوہ بھی اگر کسی نامناسب کام پر ڈانٹتے تو وہ شفقت ومحبّت سے ہوا کرتی۔ ایک دفعہ طلباءؒ کی لڑائی ہوئی، قتل وقتال کی نوبت آئی، ایک طالب علم نے بھاگتے ہوئے حضرتؒ کے گھر میں پناہ لی، مشتعل طالب علم نے ان کے گھر میں گھس کر پناہ لینے والے طالبعلم کو قتل کردیا۔ حضرت الشیخؒ کو اس واقعہ کا بے حد افسوس اور صدمہ تھا۔ بدقسمتی سے اس معاملے میں چند سرحدی طالب علم بدنام ہوئے۔ مگر حضرتِ شیخؒ نے اس وقت بھی باوجود ناراض ہونے کے طلبہ کے سروں پر شفقت وعنایت کا ہاتھ رکھا اور پٹھانوں سے قومی وملی صفات کی وجہ سے جو خصوصی تعلق تھا اُس میں فرق نہ آنے دیا۔

حضرتِ شیخؒ نے پوری زندگی انگریز سے لڑائی میں خرچ کی۔ پورے ہندوستان کی آزادی حضرتِ شیخؒ کی مجاہدانہ قربانیوں کی رہینِ منّت ہے مگر دُنیا میں اس کا ایک حبہ بھی صلہ نہ پایا، دُنیا سے پاک وصاف رہ کر اپنے مولیٰ سے جاملے۔ انگریز کے دَور میں ایک بالشت زمین بھی نہ خریدی اور نہ اپنا گھر بنایا، فرمایا کرتے تھے کہ انگریز کے عہدِ غلامی میں کوئی مکان نہ بناؤں گا۔

حضرتؒ کے خادمِ خاص حضرت مولانا قاری اصغر علی صاحب مرحوم مہمانوں اور گھر کے مصارف کے لیے کچھ رقم اپنے بٹوے میں رکھتے اور اس سے کام چلاتے حضرتِ شیخؒ کے پاس جو کچھ آتا اسے طلباء، یتیموں اور بیواؤں پر خرچ فرماتے۔ حضرت مولانا نجیب حسن صاحب مرحوم کے صاحبزادے نے مجھ سے فرمایا کہ وقتِ وفات سے لے کر اب تک کے اُن کے اخراجات حضرت شیخؒ برداشت کر رہے ہیں۔

دیوبند کی اکثر بیواؤں اور یتیموں کو وظیفہ حضرت شیخؒ کی جانب سے مقرر تھا۔

خود حضرتؒ گھر میں زمین پر ٹاٹ کے اوپر آرام فرماتے، تکیہ بھی اتباعِ سنت میں چمڑے کا ہوتا جس میں کھجور وغیرہ کے پتے بھرے ہوتے۔ حضرتؒ دارالعلوم سے معمولی وظیفہ لیا کرتے مگر جس دن حاضر نہ ہوسکتے تو تنخواہ وضع کراتے یہاں تک کہ گھنٹوں کا بھی حساب رکھتے۔

ایک دفعہ پاؤں پر شدید زخم اور پھوڑا نکلا تھا جمعیۃ علماء ہند نے تحریک سول نافرمانی کی شروع کی تھی اور حضرت شیخؒ کو گرفتاری کے لیے جانا تھا۔ اراکین شوریٰ نے جمع ہو کر درخواست کی کہ آپ اپنے نمبر پر نہ جائیں، درسِ حدیث کا بھی نقصان ہوگا اور آپ بیمار بھی ہیں۔ حضرت شیخؒ کا جوشِ جہاد اُس دن دیکھا۔ فرمایا اگر علماء اور صوفیاء پیر کہیں کہ ہمیں مسندِ درس سنبھالنا ہے اور لوگوں کی اصلاح میں مشغول رہنا ہے تو کیا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم جو دونوں مسندوں کو سنبھالے ہوئے تھے وہ جہاد میں کیوں شرکت فرماتے رہے۔ اور حضرت ابوایوب انصاری رضی اللہ عنہ کی روایت ولا تلقوا بایدیکم الی التھلکۃ کا ذکر کیا گیا ہے اس پر ایک گھنٹہ تقریر فرمائی جس میں شانِ نزول بیان فرمایا۔ اور فرمایا کہ اگر میں اس دنیا سے رحلت کرلوں تو پھر کون اس مسندِ درسِ حدیث کو سنبھالے گا؟ فرمایا کہ جہاد سے رُکنے کے لیے یہ حیلے بہانے نہیں چلیں گے کہ علماء مسندِ درس میں مشغول ہوں اور جہاد سے کنارہ کش ہوں۔ اسی حالت میں رات کو گاڑی سے دہلی کے ارادہ سے روانہ ہوئے اور پھر مظفر نگر میں گرفتار کیے گئے۔

حضرت شیخؒ کے درس میں یہ خصوصیت تھی کہ غبی، متوسط، ذکی سب استفادہ کرتے۔ دقائق و اسرار و دلائل اس وضاحت سے بیان فرماتے تھے کہ سب کی تشفی و تسلی و اطمینان ہو جاتا تھا۔ اور تمام علوم عقلیہ و ہیئت، ہندسہ کے پورے ماہر تھے۔ جس فن میں طالب العلم جب دریافت کرتا تو اسی فن کے اصول پر دعویٰ کو ثابت فرماتے۔ علوم نقلیہ و ادبیہ کے حافظ تھے اور علوم فلسفیہ کے ماہر تھے۔ ائمہ اور علم کا عمق بے پایاں تھا۔ درس میں بیٹھ کر علوم کے سمندر موجیں مارتے تھے، مگر تمام عمر میں کبھی بھی کوئی کلمہ بڑائی یا اپنی صفت کا زبان پر نہیں آیا۔ یہی وجہ ہے کہ آج تشنہ کامانِ علوم حدیث حضرتؒ کے فیض سے پاکستان و ہند میں جہاں بھی شیوخِ حدیث مشغلہ حدیث میں یا اعلاء کلمۃ الحق کے لیے سینہ سپر ہیں وہ حضرتؒ کے تلامیذ ہیں بالذات یا بالواسطہ۔

اُستاذِ محترم حضرت العلامہ مولانا رسول خان رحمۃ اللہ علیہ

حضرت الاستاذ المحترم مولانا مرحوم کی جدائی نہ صرف پورے برصغیر بلکہ دیگر کئی ممالک کے علمی و دینی حلقوں کے لیے بھی بہت بڑا صدمہ ہے انا للہ و انا الیہ راجعون۔ فان للہ ما اخذ و للہ ما اعطی۔

حضرت العلامہ جامع المعقول والمنقول مولانا رسول خان صاحب قدس اللہ سرہ العزیز دارالعلوم دیوبند کے درجۂ علیا کے اساتذۂ کرام میں سے تھے۔ حضرتؒ کا علم بحرِ بے پایاں اور عمیق تھا۔ حضرت العلامہ مولانا محمد ابراہیم بلیاوی رحمۃ اللہ علیہ کی طرح حضرت مرحوم بھی تمام علوم عقلیہ اور فنون کے امام تھے۔ پھر معقولات کے ساتھ منقولات پر بھی دسترس حاصل تھی۔ دارالعلوم دیوبند میں علم کلام و فلسفہ و منطق کی اونچی کتب مثلاً قاضی شرح سلم، صدرا، شمس بازغہ، مسامرہ، امورِ عامہ، شرح اشارات، شرح عقائدِ جلالی اور کبھی طحاوی شریف، بیضاوی و مسلم شریف بھی پڑھاتے تھے۔ ناچیز کے بھی نہایت مشفق اُستاذ تھے اور دارالعلوم دیوبند کی طالب علمی کے دوران معقولات میں قاضی شرح سلم العلوم، صدرا، شمس بازغہ اور احادیث میں طحاوی شریف، کلام میں شرح عقائد جلالی، مناظرہ میں رشیدیہ وغیرہ کئی کتابوں میں ان کا شرفِ تلمذ حاصل ہوا۔

قیامِ پاکستان کے بعد لاہور میں جامعۂ اشرفیہ کے جلسوں میں جب جانا ہوتا اور وہاں ان کی زیارت کے لیے حاضر ہوتا تو دارالعلوم حقانیہ کی علمی ترقیات بالخصوص اس میں معقولات کی درس و تدریس کے اہتمام پر بہت مسرت کا اظہار فرماتے اور ہمیشہ خاص دعاؤں سے نواز اکرتے تھے۔ دیوبند میں انہی کے ہمعصر حضرت العلامہ مولانا محمد ابراہیم صاحب بلیاوی مرحوم بھی علوم و فنون میں یکتا اور امامِ وقت تھے۔ ناچیز نے ان سے علمِ حدیث میں مسلم شریف، اصولِ فقہ میں توضیح و تلویح، اور سلم الثبوت، علمِ منطق و فلسفہ میں امورِ عامہ، شرح اشارات وغیرہ پڑھیں۔ دونوں حضرات میں دیگر تمام اساتذہ کرام کی طرح بے حد محبت اور تعلق و ربط رہتا اور ہر ایک دوسرے کی قدردانی اور اعترافِ کمالات میں پیش پیش تھے۔ طلباء دارالعلوم دیوبند کی علمی ترقی میں حضرت مولانا مرحوم کی مساعی کو بڑا دخل رہا طالب العلموں کو کتاب دانی اور مطالعہ کا طریقہ بتلاتے، طالب العلم تھوڑی سی عبارت پڑھ لیتا پھر حضرتؒ اوّل تو عبارتِ کتاب کے مطلب اور مفہوم کی وضاحت فرماتے، مرادات سے عبارت کا انطباق فرماتے، پھر قیودات کے فوائد بیان کرتے اور نقص و ابرام کرکے مسئلہ کو نہایت منقح کر دیتے اور اس کے بعد نفسِ مسئلہ اور فنی مباحث پر تفصیلی تقریر ہوتی۔ گویا دقائق و حقائق کا ایک سمندر موجزن ہوتا اور ان کی زبان سے گویا علمی جواہرات اور موتی جھڑتے تھے۔

حضرتؒ طلباء پر از حد شفیق تھے، متانت اور وقار کے پہاڑ تھے، بردباری اور تحمل کا پیکر تھے اور نہایت نفیس الطبع بھی تھے۔ لباس، چال ڈھال ہر چیز میں نفاست مترشح ہوتی۔ مادری زبان پشتو تھی مگر دیوبند میں گھر سے باہر کبھی بھی پشتو بولتے نہیں دیکھا۔

اس بے نظیر علم کے ساتھ تواضع بھی ازحد تھی۔ ایک ادنیٰ تلمیذ سے بھی ایسے گفتگو فرمایا کرتے تھے جیسے کوئی بڑے عالم سے ہمکلام ہو۔ تقویٰ کا مجسمہ تھے۔ اواخر عمر کا اکثر حصہ ذکر و اذکار، فکر و مراقبہ، تبلیغ و ارشاد میں گذارا۔ قیامِ پاکستان کے کچھ عرصہ بعد سے لے کر اب تک جامعہ اشرفیہ لاہور میں حدیث کی تدریس فرماتے رہے اور یہ جامع کی خوش بختی تھی کہ اسے ایسا نمونۂ سلف بزرگ مل گیا تھا۔ جامعہ میں ان کا ترمذی شریف کا درس بے نظیر ہوا کرتا تھا۔ پاکستان میں دارالعلوم دیوبند کے اسلاف میں سے

تھے، افسوس کہ اکابر سب چلے گئے مگر کوئی بدل نہیں مل سکے گا، بلکہ ایسے جامع الصفات اکابر کا کسی ایک وصف میں بھی بدل نہیں ہو سکتا۔ واقعی مَوْتُ الْعَالِمِ مَوْتُ الْعَالَمِ کا منظر سامنے ہے اور علاماتِ قیامت میں سے علامت رفع علم بقبض العلماء کا کامل ظہور ہو رہا ہے — حق تعالیٰ مشفق اُستاذِ مرحوم کو قرب و رضا کے اعلیٰ سے اعلیٰ مراتب پر فائز فرماوے اور ہم اخلاف کو ان کے نقشِ قدم اور اُسوہ پر چلنے کی توفیق دے۔

ناچیز اور دارالعلوم حقانیہ کے تمام متعلقین مولانا مرحوم کے پسماندگان اور جامعہ اشرفیہ کے منتظمین کے ساتھ اس صدمہ میں شریک ہے اور یہ پوری علمی برادری کا مشترکہ صدمہ ہے۔ رضی اللہ عنہ وارضاہ۔

بقیہ صفحہ ۹۷ سے : ہمالۂ عظمت

وعظ فرما رہے ہیں۔ جیسا کہ اوپر گزر چکا تھا کافی مدت بیماری کے بعد جب آپ دارالحدیث تشریف لائے تو قدوری تک کے مبتدی طلبہ بھی اس درس میں شریک ہو گئے۔ بعد میں بندہ نے چند ایک سے پوچھا کہ آپ لوگ دارالحدیث میں کس لیے آئے۔ انہوں نے کہا کہ ہم بھی حضرت الشیخ کا درس سنتے آئے تھے اور ساتھ یہ بھی کہا کہ یہ کتاب تو اتنی آسان ہے۔ مجھے تعجب ہوا کہ ایک مبتدی طالبعلم ترمذی شریف کو سہل سمجھ رہا ہے۔ یہ حضرت الشیخ قدس سرہٗ کے اس خاص انداز کا اثر تھا۔

حرفِ آخر | حضرت الشیخ قدس سرہٗ پر یہ چند سطور ترجمان اسلام کے حضرت شیخ الحدیث ہی کے لیے معرض تحریر میں آئے تاکہ خریدارانِ یوسف میں اس مصری بڑھیا کی طرح ہمارا نام بھی شامل ہو اور ان شاء اللہ پوری یکسوئی کے ساتھ حضرت الشیخ پر اپنی بساط کے مطابق کچھ لکھوں گا اس لیے کہ یہ ربع صدی کا قصہ ہے دو چار برس کی بات نہیں (روح حفیظ جالندھری سے معذرت کے ساتھ) اللہ تعالیٰ حضرت الشیخ قدس اللہ سرہ العزیز، میرے والد محترم حضرت مولانا عبدالحلیم صاحب صدر المدرسین دارالعلوم حقانیہ رحمۃ اللہ علیہ اور دیگر تمام اساتذہ مرحومین کو جنت الفردوس میں اعلیٰ علیین سے نوازے۔ آمین

آئے عشاق گئے وعدۂ فردا لیکر
اب انہیں ڈھونڈھ چراغ رخ زیبا لیکر

وصلی اللہ تعالیٰ علیٰ خیر خلقہ محمد وآلہ واصحابہ اجمعین۔

بقیہ صفحہ ۱۲۱ سے : میرے والد میرے شیخ

عصر کی نماز کے بعد مسجد میں بعض اہلِ محلہ کو بلا کر گینتری لانے کا فرمایا اور اس ارادہ کا اظہار فرمایا کہ آج سے ہی مسجد کی نئی تعمیر کا افتتاح ہو جائے، چنانچہ دو اصحاب نے سہارا دے کر اٹھایا اور محراب ہی کے قریب مسجد کے فرش پر گینتری مار کر مسجد کی تعمیرِ نو کا آغاز فرمایا۔ اسی دوران ہی کسی صاحب نے کہا کہ انوار الحق کی رائے ہے کہ جب تک کافی رقم جمع نہیں ہو جاتی تعمیر شروع کرنے سے شاید مسجد بھی گر جائے اور پھر نمازیوں کے لیے نماز کا بندوبست بھی نہ ہو سکے۔ فرمایا کہ انوار سادہ آدمی ہے، اگر رقم نہیں ہے تو اللہ کا گھر ہے وہ خود ہی بندوبست فرما دے گا — دوسرے دن حضرتؒ کے ہسپتال جانے اور وہاں داخلہ کے دوران مسجد کا مکمل انہدام ہوا۔ اللہ تعالیٰ کو اس طرح منظور تھا کہ مسجد کی تعمیر ان کی زندگی میں ہونے کے بجائے ان کی رحلت کے بعد ہو جائے اور انکی کرامت اور قوتِ ایمانی سے اس جملہ کہ ”اللہ کا گھر ہے وہ خود ہی بندوبست فرما دے گا“ فرمانے کا نتیجہ تھا کہ باوجودیکہ نہ معتد بہ فنڈ تھا اور نہ چندے کی مہم، اس کے باوجود مختصر ترین عرصہ میں مسجد کا عظیم ہال اور وضو خانے کا ڈھانچہ مکمل ہو گیا۔

بقیہ صفحہ ۱۳۴ سے : حسین یادوں کا عظیم سرمایہ

بہت تکلیف دی اور انداز معذرت خواہانہ ہوتا تھا۔

ساتھیوں کی ضروریات کا خیال

مجھے بدقسمتی سے سگریٹ کی لت پڑی ہوئی ہے مگر حضرت کے ساتھ کئی طویل سفروں کے مواقع بھی پیش آتے دورانِ سفر سگریٹ نہیں پیا تھا اور ہمیشہ اپنی سی کوشش رہی کہ حضرت شیخ الحدیثؒ کو سگریٹ نوشی کا علم نہ ہو غالب امکان ہے کہ حضرت شیخ الحدیث کو اس کا مکمل علم تھا کیونکہ اکثر دورانِ سفر جس وقت بھی میں نے اپنے طور سگریٹ کی طلب محسوس کی اسی لمحہ شیخ الحدیثؒ نے تمہید باندھی۔

بچے! شوگر کی وجہ سے پیشاب بار بار آتا ہے کسی مناسب جگہ گاڑی روک لو کہ میں پیشاب کر لوں۔ تب میں کسی کھیت یا کسی ویران جگہ جب گاڑی کھڑی کر دیتا تو شیخ الحدیثؒ خود ہی گاڑی سے کافی دور چلے جاتے اور حکم فرماتے کہ میرے قریب کوئی نہ آئے۔

اس طرح سفر میں ساتھیوں کی ضروریات کا خیال رکھنا میں نے کسی اور میں یہ چیز نہیں دیکھی۔